
WWW.PAKSOCIETY.COM

بچوں کیلئے دلچسپ اور خوبصورت ناول

پُراسرار گڑیا

مظہر کلیم ایم اے



یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان

ناشران —— اشرف قریشی
—— یوسف قریشی
پرنٹر —— محمد یونس
طابع —— ندیم یونس پرنٹرز لاہور
قیمت —— /۷ روپے





فیصل اور شہزاد کئی دنوں سے سوچ رہے تھے کہ اب وہ ہوسٹل میں رہنے کی بجائے شہر میں کوئی مکان لے کر وہاں رہیں۔

فیصل کو ہوسٹل میں یہ تکلیف تھی کہ ہوسٹل کے لڑکے ہر وقت اُسے گھیرے رہتے تھے اور آدھی رات تک اوٹ پٹانگ باتوں میں وقت گذر جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوسٹل کا ہر لڑکا اس کا دوست تھا۔ فیصل چونکہ خود بے حد ملنسار اور ہنس مکھ تھا اس لیے کسی سے اس کی بگاڑ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس طرح اس کی پڑھائی میں ہرج ہو رہا تھا۔ اور اسے علم تھا کہ اگر امتحان میں اس نے اول پوزیشن حاصل نہ

کی تو اس کے ابو اُسے باتوں ہی باتوں میں اس قدر شرمندہ کریں گے کہ وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جائے گا جب کہ شہزاد کی تمام تکلیف کا تعلق اس کے پیٹ سے تھا۔ ہوسٹل میں کھانا محدود مقدار میں ملتا تھا اور شہزاد ہر وقت بھوک بھوک کی رٹ لگاتا رہتا تھا۔

چنانچہ آج ان دونوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ شہر میں جاکر کوئی چھوٹا سا مکان ڈھونڈیں گے اور پھر ایک ملازم رکھ کر وہ اس میں جا رہیں گے۔ اس طرح دونوں کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ یہ فیصلہ کرکے وہ دونوں آج شام ہی ہوسٹل سے نکل آئے اور پھر شہر میں گھومتے پھرتے وہ ایک پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں پہنچ گئے۔ دفتر کے سامنے ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ہر قسم کے کرائے کے مکان دلوانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ دفتر کے اندر ایک منشی سا منشی نما بڈھا بیٹھا ہوا تھا اس نے سر پر بغیر پھندنے کے ترکی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ وہ ایک رجسٹر کھولے اس میں کچھ لکھنے

میں مصروف تھا۔

"السلام علیکم"۔ فیصل اور شہزاد نے دفتر میں داخل ہوتے ہی باقاعدہ دوگانہ کی صورت میں کہا۔

"وعلیکم السلام"۔ بوڑھے نے سر اٹھا کر موٹے شیشوں کی عینک سے انہیں باقاعدہ گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"جی ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر چاہیے"۔ فیصل نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ایک شرط ہے جناب! مکان بے شک چھوٹا ہو مگر اس کا باورچی خانہ بہت بڑا ہونا چاہیے"۔ شہزاد نے کہا۔

"بڑا باورچی خانہ"۔ منشی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"جی اتنا بڑا کہ اس میں بیک وقت سو دو سو کھانے پک سکیں"۔ شہزاد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو شہزاد فضول باتیں نہ کرو۔ جناب ہمیں ایک مکان چاہیے بس"۔ فیصل نے کہا۔

"آپ کے ابو ہیں"؟ بوڑھے نے فیصل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ہیں کیوں"؟ فیصل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"تو پھر انہیں بھیج دینا۔ ہم بچوں کو مکان نہیں دیا کرتے"۔ منشی نے روکھے سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے جناب! ہم دونوں دوست ہیں اور یہاں ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ ہوسٹل میں ہماری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ کوئی چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیں۔ آپ ہماری مدد کریں"۔ فیصل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"مگر مکان کا کرایہ کون دیگا"؟ بوڑھے نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہم دیں گے جناب۔ ہوسٹل والی فیس کرایہ میں دے دیں گے"۔ فیصل نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

"مگر تم مکان میں اکیلے کیسے رہو گے؟ ڈرو گے نہیں"۔ بوڑھے نے کہا۔

"ڈرنے ورنے کی بات چھوڑیئے۔ آپ مکان دلوائیے"۔ فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر وہاں کھانا پکانے اور مکان کی حفاظت کے لئے کوئی ملازم بھی رکھنا پڑیگا"۔ بوڑھے نے باقاعدہ بحث کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا ڈھونڈلیں گے ملازم" فیصل نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"مگر شرط یہ ہے کہ وہ ملازم کھانا پکانا جانتا ہو"۔ شہزاد جو اب تک خاموش بیٹھا تھا بول پڑا۔

"ہوں! تمہارا مقصد چونکہ نیک ہے اس لیے میں تمہیں مکان ضرور دونگا۔ ایک بہت اچھا مگر کم کرایہ کا مکان، اور ساتھ ہی ایک ایماندار اور محنتی ملازم بھی"۔ بوڑھے نے کہا۔

"اوہ! بہت بہت شکریہ جناب، آپ نے ہمارا بہت بڑا مسئلہ حل کردیا ہے"۔ فیصل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تو سنو! ہمارے پاس لالہ زار کالونی میں ایک چھوٹا سا مکان ہے جس میں دو کمرے، ایک برآمدہ اور باورچی خانہ۔ پانی کا سرکاری نلکا ہے۔ مکان پختہ ہے۔ اس کا کرایہ صرف دو سو روپے

ماہانہ ہے بولو منظور؟" منشی نے رجسٹر کھول کر کوائف پڑھتے ہوئے کہا۔

"منظور۔" فیصل نے فوراً جواب دیا۔

"باورچی خانہ مجھے قبول بلکہ تین بار قبول۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا باقی مکان ایک لے گا اور باورچی خانہ دوسرا؟ نہیں بھائی ایسا نہیں ہو سکتا!" منشی جی نے قدرے ناگوار لہجے میں کہا۔

"ارے ارے یہ بات نہیں۔ یہ تو ایسے ہی مذاق کرتا رہتا ہے۔" فیصل نے فوراً کہا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں منشی جی بگڑ نہ جائیں۔

"تو نکالو دوسو روپے اور اس معاہدہ پر دستخط کرو۔" منشی نے ایک فارم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

فیصل نے فوراً جیب سے دو سو روپے نکال کر منشی کے حوالے کیے اور معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

"ٹھیک ہے یہ لو چابی۔ اس کے ساتھ مکان کے پتے کا کارڈ ہے۔" منشی نے دراز کھول

کر ایک چابی نکال کر انہیں دیتے ہوئے کہا اس چابی کے ساتھ ایک کارڈ بھی تھا جس پر مکان کا تفصیلی پتہ درج تھا۔

"بہت بہت شکریہ جناب! آپ نے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل کردی ہے۔" فیصل نے چابی لیتے ہوئے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اور باقی رہا ملازم کا مسئلہ، تو تم جاکر مکان میں سامان رکھو آج شام کو ملازم پہنچ جائیگا اس کی تنخواہ ایک سو روپے ماہوار ہوگی اور روٹی کپڑا تمہارے ذمے۔" منشی جی نے کہا۔

"منظور جناب بالکل منظور۔" فیصل نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب جاؤ۔ مجھے کام کرنے دو۔" منشی جی نے بڑی رکھائی سے کہا اور وہ دونوں چابی سنبھالے خوشی سے اچھلتے کودتے دفتر سے نیچے اتر گئے۔

"بجنتو" شہزاد نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے زور سے آواز دی۔

"کیا ہے؟" دوسرے لمحے ایک ادھیڑ عمر آدمی نے جس کے منہ کے کنارے سے دو بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ چہرے پر نحوست کی پرچھائیاں تھیں اور سر کے چھوٹے چھوٹے بال یوں اکڑے کھڑے تھے جیسے انہیں گوند لگا دی گئی ہو۔ البتہ اس کا جسم خوب بھرا بھرا اور طاقتور تھا اندر آکر کہا۔

"سنو! آج سے تمہارا نام ڈریکولا ہے۔ سمجھ گئے؟" شہزاد نے بڑے مغرورانہ انداز میں کہا۔

"ہاں سمجھ گیا۔" بجنتو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اُسے شاید علم ہی نہ تھا کہ ڈریکولا کسے کہتے ہیں۔

"اور سنو! آئندہ جب ہم سے بولا کرو تو جی حضور، جی سرکار، جی آقا کہا کرو ورنہ تمہاری نوکری ختم۔" شہزاد نے اسی طرح اکڑے ہوئے لہجے میں اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اوہ یعنی میرا مطلب ہے جی حضور، جی سرکار، جی آقا"۔ ڈریکولا نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم سارے لقب اکٹھے ہی دہرا دو۔ کبھی جی حضور، کبھی جی سرکار اور کبھی جی آقا کہہ دیا کرو۔" شہزاد نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی حضور"۔ ڈریکولا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کھانا تیار ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"جی سرکار"۔ ڈریکولا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لے آؤ"۔ شہزاد نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

"جی آقا"۔ ڈریکولا نے جواب دیا اور پھر مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسی لمحے فیصل اندر داخل ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے شہزادے! کرسی پر بڑے اکڑے ہوئے بیٹھے ہو"۔ فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈریکولا میرے لیے کھانا لینے گیا ہے۔ اس کے انتظار میں بیٹھا ہوں"۔ شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ڈریکولا"۔ فیصل نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہمارا نیا ملازم"۔ شہزاد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ! بہت خوب، واقعی بہترین نام دیا ہے تم نے"۔ فیصل نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ شہزاد کچھ جواب دیتا ڈریکولا اندر داخل ہوا۔ اس نے ہاتھوں پر ایک بڑی سی ٹرے اٹھائی ہوئی تھی۔ اس نے ٹرے سے برتن اٹھا کر میز پر رکھ دیئے۔ پانی

کا جگ رکھا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"اچھا بھئی فیصل! اب اجازت میں ذرا پیٹ پوجا کروں"۔ شہزاد نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کھانا کھا کر میرے کمرے میں آجانا۔ ایک ضروری بات ہے"۔ فیصل نے کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

مکان کے دو کمرے تھے اس لئے ایک کمرہ فیصل نے سنبھال لیا تھا اور دوسرا شہزاد نے۔

فیصل اپنے کمرے میں آکر کرسی پر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

اچانک وہ چونک پڑا۔ کیونکہ مکان کے باہر سے کسی کے جھگڑنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ جھگڑا انہی کے مکان کے دروازے پر ہی ہو رہا ہے اور پھر وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا اس نے دیکھا کہ دروازے پر ایک قوی ہیکل حبشی کھڑا تھا۔ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ جلد از جلد

اندر آنا چاہتا ہے جبکہ ان کا ملازم ڈریکولا دروازے میں دیوار کی طرح ڈٹا کھڑا تھا۔

"آقا کا حکم ہے کہ جب وہ کھانا کھا رہے ہوں تو کوئی اندر نہ آئے۔ اس لیے تم اندر نہیں جا سکتے"۔ ڈریکولا نے انتہائی سخت لہجے میں حبشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ارے ایسی کی تیسی تمہارے آقا کی"۔ حبشی نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا اور ڈریکولا کو دھکیل کر اندر آنے کی کوشش کی۔ مگر دوسرے لمحے فیصل جو اب دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حبشی کسی کھلونے کی طرح اڑتا ہوا فرش پر جا گرا۔ ڈریکولا نے نجانے کونسا داؤ لگایا تھا کہ فیصل کو بس اتنا ہی محسوس ہوا تھا کہ وہ ذرا سا جھکا ہو۔

"ارے یہ کیا کر دیا۔ کہیں یہ مر نہ جائے"۔ فیصل نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں جی آقا! میں تو بس اسے اندر آنے سے روک رہا تھا"۔ ڈریکولا نے بڑے معصوم سے

لہجے میں جواب دیا۔

اس دوران حبشی کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اس کے چہرے پر غصے کی بجائے شکست کے سے آثار تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ڈریکولا سے خوفزدہ ہو گیا ہو۔

"کیا بات ہے تم کیوں مکان کے اندر آنا چاہتے ہو؟" فیصل نے حبشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مم مجھے ایک ضروری کام ہے"۔ حبشی نے چور نظروں سے ڈریکولا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو آؤ"۔ فیصل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر وہ حبشی کو لے کر مکان کے اندر آ گیا۔

حبشی اندر داخل ہوتے ہی سیدھا اس کمرے کی طرف بڑھا جو شہزاد کا تھا اور جہاں شہزاد بیٹھا کھانا کھانے میں بری طرح مصروف تھا۔

"ارے اس میں میرا جی حضور بیٹھا ہے"۔ ڈریکولا نے حبشی کو اس کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

مگر حبشی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے

پیچھے پیچھے فیصل اور ڈریگولا بھی اندر داخل ہو گئے
"غوں ہو غیوں آئے ہو"؟ شہزاد نے چونکتے ہوئے کہا۔ اس کا منہ نوالے سے بھرا ہوا تھا۔

حبشی رکے بغیر سیدھا کمرے کی شمالی دیوار کی طرف بڑھا اور پھر اس نے تیزی سے شمالی دیوار کے ایک کونے کو اپنی انگلیوں سے دبایا۔ دوسرے لمحے وہ سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شمالی کونے کی پوری دیوار کسی تختے کی طرح ایک طرف ہٹتی چلی گئی۔ اب وہاں ایک الماری نظر آ رہی تھی۔

حبشی نے بڑی پھرتی سے الماری کے اندر ہاتھ ڈالا تو دوسرے لمحے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار ابھر آئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گڑیا تھی۔ یہ گڑیا دلہن کے لباس میں تھی۔ اور وہ پورے زیورات پہنے ہوئے تھی۔ گڑیا ہاتھ میں لیتے ہی حبشی تیزی سے واپس مڑا۔ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ بس اب یہاں سے بھاگنا چاہتا ہے۔

"ٹھہرو"۔ اچانک فیصل نے سخت لہجے میں کہا۔ مگر حبشی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں وہ تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا۔ مگر فیصل کی آواز سنکر ڈریگولا چوکنا ہو گیا تھا اس لیے وہ دروازے کے سامنے دیوار کی طرح کھڑا ہو گیا۔ حبشی ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور اب اس کے ہاتھ میں پستول چمک رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے، ورنہ میں گولی مار دونگا"۔ حبشی نے پہلی بار انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

مگر اس سے پہلے کہ کوئی اس کا جواب دیتا۔ شہزاد کے ہاتھ نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت کی اور ایک بڑا چمچہ کسی خنجر کی طرح اڑتا ہوا حبشی کے اس ہاتھ پر لگا۔ جس میں اس نے پستول تھام رکھا تھا اور چمچے کے لگتے ہی پستول اس کے ہاتھ سے نکلتا چلا گیا اور دوسرا لمحہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوا کیونکہ جیسے ہی پستول حبشی

کے ہاتھ سے نکلا۔ ڈریکولا نے بجلی کی تیزی سے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دوسرے لمحے اس کی دونوں ٹانگیں حبشی کی گردن کے گرد قینچی کی صورت میں جم گئیں اور حبشی بے بس ہوکر فرش پر گرگیا۔ گڑیا اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے جاگری جسے فیصل نے جھپٹ کر اٹھا لیا۔

حبشی نے چھڑانے کے لئے جدوجہد کرنے کی کوشش کی مگر ڈریکولا نے کھڑی ہتھیلی کا ایک زبردست وار حبشی کی کنپٹی پر کیا اور حبشی کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی اور وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔

"کمال ہے مجھے کھانا کھانے کی بھی فرصت نہیں دیتے۔" شہزاد نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

فیصل بڑی حیرت بھری نظروں سے گڑیا کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"ایک حبشی۔" فیصل نے بڑے اطمینان سے جواب

دیا اور پھر گڑیا کو ادھر ادھر گھما کر دیکھنے لگا۔

حبشی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس لیے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ڈریکولا بھی ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔ ان سب کی نظریں گڑیا پر جمی ہوئی تھیں۔

اور عین اسی لمحے حبشی اچانک یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے اس کے جسم میں سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے، حبشی نے جھپٹا مارا اور فیصل کے ہاتھ سے گڑیا اچک کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ سب چونک کر اس کی طرف جھپٹے مگر حبشی تو بجلی بنا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے مکان سے باہر نکلا اور پھر جب تک وہ دروازے تک پہنچتے حبشی گلیوں میں غائب ہوچکا تھا۔

ڈریکولا نے باہر جاکر حبشی کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوچکا تھا۔

"یہ سب کچھ آخر کیا ہو رہا ہے؟" فیصل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"چلو دیکھیں"۔ شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ بڑے اطمینان سے اس الماری کی طرف بڑھا۔

اس نے الماری کے اندر ہاتھ ڈالا اور پھر الماری کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ الماری بالکل خالی تھی مگر پھر ایک کونے میں پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی چٹ اس کے ہاتھ میں آگئی۔

"یہ کیا ہے"؟ فیصل نے چونک کر کہا۔

"اس پر کچھ نمبر لکھے ہوئے ہیں اور چند لکیریں ہیں"۔ شہزاد نے چٹ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

فیصل نے چٹ شہزاد کے ہاتھ سے لیکر دیکھی، مگر اس کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آسکا۔

"کوئی خاص اسرار ہے۔ یہ گڑیا اور یہ نقشہ"۔ فیصل نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"تم اسے بیٹھ کر اطمینان سے دیکھو۔ میں ذرا کھانا کھالوں"۔ شہزاد نے اطمینان سے کہا اور پھر وہ دوبارہ کھانے میں مصروف ہوگیا اور فیصل وہ چٹ اٹھائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بڑے سے کمرے میں موجود ایک میز کے گرد چار قوی ہیکل نوجوان بیٹھے ہوئے تھے ان کے درمیان میں میز پر وہی گڑیا پڑی تھی جو حبشی فیصل کے مکان سے اڑا لایا تھا۔ وہ چاروں بڑی اشتیاق آمیز نظروں سے گڑیا کو دیکھ رہے تھے۔ وہی حبشی ایک طرف ہٹ کر انتہائی مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔

کمرے میں گہری خاموشی طاری تھی یوں لگتا تھا جیسے ان سب کو کسی کا انتظار ہو۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ایک دیوہیکل آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید چاندی کے تاروں

کی طرح تھے چہرے پر سفاکی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا، میز کے گرد بیٹھے ہوئے چاروں نوجوان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

سفید بالوں والے دیوقامت آدمی کی نظر جیسے ہی میز پر پڑی ہوئی گڑیا پر پڑی اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک ابھر آئی۔ وہ یوں گڑیا پر جھپٹ پڑا جیسے چیل گوشت پر جھپٹتی ہے۔

"اوہ گڑیا آگئی۔ بہت خوب، بہت خوب، اب ہم دولت مند ہو جائیں گے اتنے دولت مند کہ دنیا میں ہم جیسا دولت مند اور کوئی نہ ہوگا"۔ سفید بالوں والے آدمی نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"یس باس"۔ ان چاروں نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو بیٹھو"۔ سفید بالوں والے نے چونک کر کہا۔ اس کے لہجے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اب احساس ہوا ہو کہ کمرے میں دوسرے افراد بھی موجود ہیں اور پھر وہ خود بھی

ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا مکان خالی پڑا تھا"؟ باس نے ایک طرف کھڑے حبشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں جناب! وہاں دو لڑکے رہتے ہیں" حبشی نے انتہائی مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"گڑیا لے آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"؟ باس نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں جناب"۔ حبشی نے مختصر سا جواب دیا۔

"ویری گڈ! اچھا دوستو! اب دولت مند بننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ گڑیا ایک بہت بڑے خزانے کا راز اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے"۔ باس نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔ اور باقی چاروں کے چہروں پر بھی خوشی کے آثار ابھر آئے۔

باس نے گڑیا کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر مخالف سمت میں کھینچا تو گڑیا کے سر کا اوپر والا حصہ کسی ڈھکن کی طرح اٹھتا چلا گیا۔ باس نے اس میں انگلی ڈال کر ایک کاغذ

باہر نکال لیا۔ اور پھر گڑیا میز پر پھینک کر کاغذ کی تہوں کو کھول کر دیکھنے لگا۔ کاغذ پر ایک عبارت لکھی ہوئی تھی۔ باس کی نظریں تیزی سے عبارت پر پھسلتی چلی گئیں۔

پوری عبارت پڑھنے کے بعد باس نے تیزی سے گڑیا اٹھائی اور پھر اس کے کھلے ہوئے سر میں انگلی ڈال کر کچھ اور تلاش کرنے لگا۔ مگر اب وہاں کچھ نہ تھا۔

"حیرت ہے نقشہ کہاں گیا"؟ باس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نقشہ"۔ ان چاروں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! اس عبارت میں اس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جہاں دولت موجود ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس کے ساتھ ایک نقشہ بھی موجود ہے۔ مگر نقشہ اس میں ہے نہیں۔ اور بغیر نقشے کے دولت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ باس نے کہا اور ان چاروں کے چہرے جو ابھی خوشی سے جگمگا رہے تھے یکدم تاریک ہو گئے اور کمرے

میں چند لمحوں تک ناگوار سی خاموشی طاری رہی۔

"اب کیا ہوگا"؟ ان چاروں نے چند لمحوں بعد بیک وقت پوچھا۔

"ہم نے ہر قیمت پر وہ نقشہ حاصل کرنا ہے۔ میرے خیال میں وہ نقشہ اس گڑیا کے سر سے نکل کر کہیں گر پڑا ہے اور وہ یقیناً اسی الماری میں ہوگا جہاں یہ گڑیا موجود تھی"۔ باس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تو پھر حبشی کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ نقشہ لے آئے گا"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"نو۔ نو نہیں جناب! میں اکیلا نہیں جاؤں گا"۔ حبشی نے یکدم کہا اس کے چہرے سے انتہائی خوف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"کیوں کیا ہوا؟ ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ وہاں دو لڑکے ہیں اور بس"۔ باس نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی باس! وہ لڑکے اور ان کا نوکر بے حد سخت آدمی ہیں"۔ حبشی نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے تمام تفصیل بتا دی۔

"اوہ تو یہ بات ہے ٹھیک ہے۔ مگر ہم نے اس نقشے کو ضرور حاصل کرنا ہے۔ ہر قیمت پر۔ کوئی نہ کوئی تجویز کرنی پڑے گی۔" باس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اور پھر وہ سب شہزاد اور فیصل کے مکان سے نقشہ حاصل کرنے کے لئے کوئی تجویز سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

فیصل بیٹھا اس نقشے پر سوچ بچار کر رہا تھا کہ شہزاد بھی کھانے سے فارغ ہو کر وہیں آگیا۔

"ہاں بھئی! اب مجھے دکھاؤ یہ کیا چیز ہے۔" شہزاد نے بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کھانے سے فارغ ہو گئے کیا"؟ فیصل نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"کہاں فارغ ہوا ہوں۔ بس ذرا پیٹ پوجا کی ہے۔ لیکن اس سے اتنا ضرور ہو گیا ہے کہ اب دماغ میں روشنی آگئی ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پھر اس سے پہلے کہ فیصل کوئی جواب دیتا مکان کا دروازہ زور سے بجنے لگا۔ کوئی شخص

بڑی بے تابی سے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

"ڈریکولا! دیکھنا کون ہے"۔ فیصل نے زور سے کہا۔

اور پھر چند لمحوں بعد ڈریکولا ایک انتہائی بوڑھے شخص کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بوڑھے کے جسم پر زخم ہی زخم تھے۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور چہرے اور آنکھوں سے وحشت نمایاں تھی۔

"ارے ارے آپ کون ہیں اور آپ کی یہ کیا حالت ہے"؟ شہزاد اور فیصل دونوں گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرے بچو! خدا کے لئے میری مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزا دے گا"۔ بوڑھے نے انتہائی کمزور لہجے میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ارے آپ لیٹ جائیں۔ ڈریکولا جاؤ جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لاؤ"۔ فیصل نے بوڑھے کو بازو سے تھامتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹے! میں بس اب چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ خدا کے لئے پہلے میری بات سن لو"۔ بوڑھے

نے کمزور لہجے میں کہا۔

"آپ بے فکر رہیں جناب۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے"۔ شہزاد نے بوڑھے کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے بوڑھے کو بستر پر لٹا کر اُسے پانی پلایا۔ جبکہ ڈریکولا ڈاکٹر کو بلانے جا چکا تھا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک ڈاکٹر کو ہمراہ لے کر واپس آ گیا۔

ڈاکٹر نے بڑے غور سے بوڑھے کا معائنہ کیا اور پھر اس نے بوڑھے کے تمام زخموں پر مرہم لگایا۔ پٹیاں باندھیں، ٹیکے لگائے اور پھر بیگ بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ بہرحال میں نے انہیں انجکشن لگا دیئے ہیں۔ یہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے"۔ ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ڈاکٹر"۔ فیصل نے کہا اور پھر جیب سے چند نوٹ نکال کر ڈاکٹر کے حوالے کئے اور ڈریکولا ڈاکٹر کا بیگ اٹھا کر اُسے چھوڑنے چلا گیا۔

بوڑھا آنکھیں بند کئے خاموش لیٹا ہوا تھا۔ اب اس کے چہرے پر سکون کے آثار تھے۔

چند لمحوں بعد بوڑھے نے آنکھیں کھولیں۔

"میرے بچو! تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزا دیگا" بوڑھے نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں جناب! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ویسے آپ ہمیں بتائیں گے کہ آپ کی یہ حالت کس نے کی ہے؟" شہزاد نے جواب دیا۔

"میرے بچو! جس مکان میں تم رہ رہے ہو یہ میرا مکان ہے۔ آج سے چند روز پہلے تک میں اپنے پوتے سمیت یہیں رہتا تھا۔ میرا پوتا معصوم ہے اس کی عمر صرف چھ سال ہے میں نے یہ مکان بیس سال پہلے نیلام میں خریدا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ مکان اس کا تھا۔ وہ کسی وجہ سے ملک سے باہر چلا گیا پیچھے حکومت نے یہ مکان قرق کرلیا کیونکہ اس نے حکومت کا کچھ قرضہ دینا تھا اور حکومت نے اسے قرق کرکے نیلام کردیا۔ اور اس نیلامی میں میں نے اسے خرید لیا تھا۔ اس آدمی نے مجھے

بتایا کہ اس مکان میں ایک بہت بڑے خزانے کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس آدمی نے یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے طور پر اس مکان میں سے اس راز کو تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ شخص یہ باتیں کرکے اور مکان پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر واپس چلا گیا۔ اس کی باتیں سنکر مجھے بے حد اشتیاق ہوا کہ میں اس راز کو تلاش کروں۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کی اور آخرکار وہ راز تلاش کرلیا مگر اس وقت میرا پوتا بھی میرے پاس موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ میں بوڑھا ہوں اور یہ خزانہ حاصل نہ کر سکوں گا۔ جب میرا پوتا بڑا ہوگا تب اسے بتاؤں گا اور پھر یہ خزانہ میرے پوتے کی ملکیت ہو جائے گا۔ مگر افسوس، میرے معصوم پوتے نے نادانی میں اس راز کا ذکر گلی میں کھیلتے ہوئے کسی سے کہہ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز چار آدمی میرے مکان میں گھس آئے اور انہوں نے مجھے اور میرے پوتے کو اغوا کرلیا۔ وہ ہمیں ایک ویران حویلی

میں لے گئے اور پھر انہوں نے راز کی خاطر مجھ پر بے پناہ تشدد کیا۔ مگر میں نے نہ بتایا۔ اور پھر انہوں نے میرے معصوم پوتے پر تشدد کرنا چاہا تو آخرکار مجھے بتانا پڑا۔ آج جس کمرے میں انہوں نے مجھے اور میرے معصوم پوتے کو بند کر رکھا تھا اس کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ چنانچہ میں اپنے پوتے سمیت وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ دشمنوں کے ڈر کی وجہ سے میں نے اپنے پوتے کو ایک دوست کے پاس چھوڑا اور خود گرتے پڑتے یہاں پہنچا تاکہ یہاں سے وہ راز نکال کر لے جاؤں مگر یہاں آکر معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ یہاں رہ رہے ہو"۔ بوڑھے نے اٹک اٹک کر پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"مگر اس پراپرٹی ڈیلر نے یہ مکان ہمیں کرایہ پر کیسے دے دیا اور اس کے پاس اس کی چابی کیسے آگئی"؟ شہزاد نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ بڑھا منشی! اس کی بات کر رہے ہو"۔ بوڑھے

نے چونک کر کہا

"ہاں ہاں وہی! اس نے یہ مکان ہمیں کرایہ پر دیا ہے"۔ فیصل نے جواب دیا۔

"وہ میرا دور کا رشتہ دار ہے۔ میرے مکان کی ایک چابی اس کے پاس بھی رہتی ہے میں جب کام پر جاتا تھا تو میں پوتے کو اندر بٹھا کر باہر سے تالا لگا کر جاتا تھا اور چونکہ بعض اوقات مجھے دیر ہو جاتی تھی تو وہ بڑھا منشی یہاں آکر میرے پوتے کی دیکھ بھال کر لیتا تھا۔ اس نے شاید یہ سمجھ کر ہم کہیں چلے گئے اس لئے اس نے یہ مکان تمہیں کرایہ پر دے دیا ہو گا"۔ بوڑھے نے جواب دیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میرے بچو! مجھے سہارا دو تاکہ میں وہ راز یہاں سے حاصل کر لوں"۔ بوڑھے نے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ راز کسی گڑیا کی شکل میں تھا"؟ شہزاد نے پوچھا۔

"ہاں ہاں! تمہیں کیسے پتہ چلا"؟ بوڑھے نے حیرت

سے اچھلتے ہوئے کہا۔
اور پھر شہزاد نے حبشی کے آنے اور گرا دے جانے کی پوری تفصیل بتادی اور ساتھ ہی جیب سے وہ نقشہ بھی نکال کر دے دیا۔
"اوہ! تو وہ لوگ مجھ سے پہلے پہنچ گئے۔ مگر اس نقشے کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ اس نقشہ کو ڈھونڈھتے یہاں ضرور آئیں گے۔ مجھے فوراً یہاں سے چل دینا چاہیئے۔" بوڑھے نے یکدم اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر شدید بوکھلاہٹ کے آثار نمایاں تھے
"ارے ارے آپ آرام کریں۔ اگر وہ یہاں آگئے تو ہم ان سے نپٹ لیں گے۔" فیصل نے چونک کر کہا۔
"نہیں میرے بچو! میں اپنے ساتھ تمہاری جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ مجھے جانا ہوگا۔ مجھے جانا ہوگا۔" بوڑھے نے ایسے فیصلہ کن لہجے میں کہا کہ وہ اسے روک نہ سکے اور بوڑھا لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
فیصل نے شہزاد کی طرف دیکھا تو شہزاد نے

ے آنکھ مار دی۔ جیسے اُسے خاموش رہنے کو کہہ رہا ہو۔ شہزاد کا انداز کچھ اس طرح کا تھا کہ فیصل اور بھی الجھ گیا اور پھر ان کے دیکھتے دیکھتے بوڑھا کمرے سے باہر نکل گیا۔
چند لمحوں بعد ڈریکولا بھی ہاتھ میں دوا کی شیشی اٹھائے اندر داخل ہوا۔
"تم نے اس بوڑھے کو دیکھا ہے ڈریکولا؟" شہزاد نے ڈریکولا سے پوچھا۔
"جی آقا! میں نے اُسے جاتے دیکھا مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں کہ وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے وہ بالکل تندرست ہو۔ وہ بھاگتا چلا جا رہا تھا۔" ڈریکولا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔
"جان کے خوف نے اس کی تمام بیماری ختم کردی ہے۔" فیصل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"یہ بات نہیں فیصل! ہمیں بیوقوف بنایا گیا ہے۔ مجھے پہلے ہی کھٹک گیا تھا کہ یہ بوڑھا بھی ان مجرموں کا ساتھی ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

شہزاد نے تیز لہجے میں کہا اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

"ارے ارے تم کہاں چل دیئے؟" فیصل نے حیران ہو کر کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ میں اس بڈھے کا تعاقب کرنا چاہتا ہوں"۔ شہزاد نے تیز لہجے میں کہا اور پھر وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی فیصل اور ڈریکولا کو اس کے پیچھے جانا پڑا۔ ڈریکولا نے باہر نکل کر دروازے کی زنجیر چڑھا دی تھی۔

پھر وہ سب تیز تیز قدم اٹھاتے سامنے کی سمت میں بھاگتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بڑی سڑک پر پہنچ گئے مگر وہاں دور دور تک اس بوڑھے کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

"اب وہ کہاں ملے گا؟" فیصل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"بلا کھانا زیادہ کھایا کرو۔ تب ہی تمہارے دماغ میں عقل کی روشنی پیدا ہوگی"۔ شہزاد نے جھنجھلا کر جواب دیا اور پھر وہ قریب ہی موجود

ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ابھی ابھی میرے والد صاحب ایک ٹیکسی میں سوار ہوئے ہیں۔ وہ گھر سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔ ہم انہیں ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ہماری مدد فرمائیں گے"۔ شہزاد نے معصوم سا لہجہ بناتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کیا وہ بہت بوڑھے ہیں اور شدید زخمی ہیں"۔ ٹیکسی ڈرائیور نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں ہاں وہی، کل ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا"۔ شہزاد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ ابھی ابھی ٹیکسی پر بیٹھ کر سلطان نگر گئے ہیں۔ میں اس ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ وہ بڑی تیزی سے آئے اور بھاگ کر اس ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ میں نے انہیں سلطان نگر کا نام لیتے سنا ہے"۔ ٹیکسی ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ بہت بہت شکریہ! آپ ہمیں سلطان نگر لے چلیں۔ آپ اس ٹیکسی ڈرائیور کو پہچانتے ہیں۔ اگر وہ ٹیکسی واپسی میں مل گئی تو اس

کے ڈرائیور سے ان کا پتہ معلوم ہو جا[ئے] ہم آپ کو پورا کرایہ ادا کریں گے"۔ شہزاد [نے] کہا اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک [بڑا] نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ! ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ضرور مدد کر[وں] گا"۔ ڈرائیور نے نوٹ جھپٹ کر جیب میں ڈا[لتے] ہوئے کہا اور پھر وہ سب اس کی ٹیکسی [میں] بیٹھ گئے۔ شہزاد ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا [جبکہ] فریحہ اور فیصل پیچھے بیٹھے تھے اور اب فیص[ل] واقعی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ وہ [بھی] شہزاد کی طرح بے تحاشا کھانا شروع کر د[ے] کیونکہ شہزاد نے جس عقلمندی سے بوڑھے [کو] ڈھونڈنے کا راستہ نکالا تھا اس سے اس [کی] ذہانت صاف ظاہر تھی۔

ٹیکسی کافی تیز رفتاری سے سڑک پر دو[ڑی] چلی جا رہی تھی اور فیصل سوچ رہا تھا کہ واقعی وہ بوڑھا مجرموں کا ساتھی ہے یا [پھر] شہزاد کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بہرحال اب [وہ] چل ہی پڑے تھے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔

دیوتما سفید بالوں والا باس بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور باس کے باقی ساتھی بھی بےچینی سے کمرے کی دیواروں کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

"کیا صالح کامیاب ہو گا؟" باس نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے باس کہ وہ ضرور کامیاب ہو گا۔ صالح کبھی ناکام نہیں رہا۔ وہ بہترین اداکار ہے"۔ ایک نوجوان نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"ہاں! مگر حبشی نے جو کہانی سنائی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑکے خطرناک

ہیں۔" باس نے بے چین لہجے میں کہا۔

"باس! میں نے تو کہا تھا کہ چل کر ان لڑکوں کو گولی مار دیتے ہیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔" ایک نوجوان نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے اسماعیل۔ اگر یہ لڑکے مر جاتے تو پولیس ہمارے پیچھے لگ جاتی اور پھر ہم خزانہ حاصل نہ کر سکتے، بلکہ اپنی جانیں بچاتے رہتے۔" باس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے باس! میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ نے واقعی درست فیصلہ کیا ہے۔" نوجوان نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ باس اس کی بات کا کوئی جواب دیتا۔ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور باس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر وہی بوڑھا کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اوہ صالح! سناؤ کیا ہوا؟" باس نے بڑے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کامیابی باس۔" صالح نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ بہت خوب، بہت خوب۔" باس نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا اور پھر صالح نے جیب سے وہ نقشہ نکال کر باس کی طرف بڑھا دیا۔

باس نے نقشہ جھپٹ لیا اور پھر اسے دیکھتے ہی وہ کسی دیوانے کی طرح خوشی کے مارے اچھلنے کودنے لگا۔

"اب ہم یقیناً وہ خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" باس نے کہا اور اس کے ساتھیوں کے چہرے بھی خوشی سے کھل اٹھے۔

"صالح! تم نے واقعی کمال کر دیا ہے۔ کیا ان لڑکوں کو تم پر شک تو نہیں ہوا؟" باس نے کہا۔

"نہیں باس! آپ جانتے ہیں کہ میرے جسم پر ضرب لگنے کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اس لیے میں نے اسماعیل سے کہہ کر اپنے جسم پر گھونسے لگوائے تھے۔ اس طرح اصلی زخم بن

گئے اور ان زخموں کی وجہ سے انہیں مجھ پر کوئی شک نہ ہوا۔ حالانکہ ان بیچاروں نے ڈاکٹر کو بھی بلوایا تھا۔

"بہت خوب! تمہاری یہ صلاحیت واقعی بہت کام کی ہے۔ اب ہمیں فوراً خزانے والی جگہ پر جانے کے انتظامات کرنے چاہئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے ہم یہ خزانہ حاصل کرلیں۔" باس نے نقشہ بڑی حفاظت سے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے باس! دو روز میں تمام انتظامات مکمل ہو جائیں گے۔" ایک نوجوان نے جواب دیا۔

"او۔کے۔ دو روز بعد ہم یہاں سے چل پڑیں گے۔" باس نے کہا اور پھر وہ ایک دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

ٹیکسی انتہائی تیز رفتاری سے سلطان نگر کی کی طرف بڑھتی چلی جارہی تھی۔ سلطان نگر شہر سے ہٹ کر ایک مضافاتی کالونی تھی جس میں بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں اور یہاں امیر لوگ رہتے تھے۔

شہزاد، فیصل اور ڈریکولا کو لئے ہوئے ٹیکسی جیسے ہی سلطان نگر میں داخل ہوئی، سامنے سے ایک خالی ٹیکسی آتی دکھائی دی۔

"یہی وہ ٹیکسی ہے جس میں تمہارا باپ گیا تھا۔ ٹھہرو! میں اسے روک کر پوچھتا ہوں۔" ٹیکسی ڈرائیور نے شہزاد سے مخاطب ہوکر کہا۔ اور پھر اس نے ہاتھ باہر نکال کر سامنے سے آنے

والی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں بعد دونوں ٹیکسیاں ایک دوسرے کے قریب آکر رک گئیں۔

"گل محمد! تم نے اس بوڑھے کو کہاں چھوڑا تھا؟" ٹیکسی ڈرائیور نے خالی ٹیکسی کے ڈرائیور سے مخاطب ہوکر پوچھا۔

"کیوں کیا بات ہے"؟ ڈرائیور نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بھئی وہ بوڑھا ان کا والد ہے اور گھر سے ناراض ہوکر نکلا ہے۔ اور یہ اُسے تلاش کر رہے ہیں"۔ ٹیکسی ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ! میں نے انہیں کوٹھی نمبر ۱۱۵ پر چھوڑا ہے۔ وہ میرے سامنے کوٹھی کے اندر گئے ہیں"۔ ڈرائیور نے جواب دیا۔

"شکریہ"! شہزاد نے کہا اور پھر اس نے اپنی ٹیکسی کے ڈرائیور کو آگے بڑھنے کے لئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی ٹیکسی کوٹھی نمبر ۱۱۵ کے سامنے پہنچ گئی۔

"بہت بہت شکریہ جناب! آپ نے ہماری بےحد مدد کی ہے"۔ شہزاد نے ٹیکسی سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، یہ میرا فرض تھا"۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر فیصل اور ڈریکولا کے نیچے اترتے ہی وہ تیزی سے ٹیکسی آگے بڑھا کر لے گیا۔

"اب تمہیں یقین آگیا کہ وہ بوڑھا مجرموں کا ساتھی ہے۔ ورنہ جو کہانی اس نے ہمیں سنائی ہے اس لحاظ سے اس کا اتنی عظیم الشان کوٹھی میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے یہ کوٹھی اس کے دوست کی ہو۔ جہاں اس نے اپنے پوتے کو چھوڑا تھا"۔ فیصل نے جواب دیا۔

"ابھی معلوم ہو جائیگا۔ ہمیں اس کوٹھی میں داخل ہونا پڑے گا"۔ شہزاد نے کہا۔

"مگر ہم یہاں کیسے داخل ہوسکتے ہیں۔ اگر وہ بوڑھا مجرم ہے تو پھر اس کے ساتھی بھی

یہاں موجود ہوں گے"۔ فیصل نے کہا۔

"دیکھو فیصل! اب شام ہونے والی ہے۔ ہم رات کو کوٹھی میں داخل ہوں گے۔ ابھی چل کر ہم کسی ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں۔ ایمان سے بڑی بھوک لگی ہے"۔ شہزاد نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے چلو"۔ فیصل نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ تینوں سلطان بحر کی مارکیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ہوٹل میں تقریباً وہ رات کے دس بجے تک بیٹھے رہے۔ پھر وہ اٹھ کر دوبارہ کوٹھی کی طرف چل پڑے۔

کوٹھی کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے کوٹھی کے برآمدے میں بلب جل رہا تھا اور اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اوہ یہاں تو کتے بھی ہیں"۔ فیصل نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا؟ یہ دیکھو"۔ شہزاد نے مسکراتے

ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے ایک رومال نکالا۔ اس میں گوشت کی بڑی بڑی بوٹیاں موجود تھیں۔

وہ تینوں کوٹھی کے عقب میں پہنچ گئے اور پھر انہیں دیوار کے قریب ہی ایک بڑا سا درخت نظر آگیا۔ سب سے پہلے شہزاد اس درخت پر چڑھا اور پھر اس کے پیچھے فیصل اور ڈریکولا بھی درخت پر چڑھ گئے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ تینوں دیوار پر موجود تھے۔

شہزاد نے دیکھا کہ کوٹھی میں دو بڑے بڑے کتے گھوم رہے تھے۔

"جی آقا! آپ گوشت پھینکیے۔ جب یہ کتے گوشت کھانے میں مصروف ہوں گے تو میں انہیں قابو کرونگا"۔ ڈریکولا نے سرگوشی میں کہا۔ اور شہزاد نے سر ہلا دیا۔ اور پھر اس نے رومال کھول کر گوشت نیچے پھینک دیا اور خود دیوار پر لیٹ گیا۔

گوشت کی خوشبو پر کتے فوراً ہی دوڑتے

ہوئے آستے اور گوشت کھانے میں مصروف ہو گئے اور عین اسی لمحے ڈریکولا نے دیوار سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

ڈریکولا پنجوں کے بل زمین پر کودا تھا اس لئے اس کے کودنے سے کوئی زیادہ آواز پیدا نہ ہوئی تھی۔ مگر کتوں نے چونک کر سر اٹھائے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس پر لپکتے یا بھونکتے، ڈریکولا نے انتہائی پھرتی سے ان دونوں کتوں کی گردنیں اپنی بغلوں میں دبا لیں اور پھر وہ بازوؤں کو پوری طاقت سے دباتا چلا گیا۔

قوی ہیکل اور خوفناک کتوں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بے حد کوشش کی مگر بے سود۔ ڈریکولا کی گرفت تو آہنی تھی۔ وہ بیچارے آواز بھی نہ نکال سکے اور چند لمحوں بعد ہی ان کی جدوجہد دم توڑ گئی اور ڈریکولا نے انہیں چھوڑ دیا۔ وہ بے حس و حرکت زمین پر گر پڑے۔

"کمال ہے یہ آدمی ہے یا جن۔" فیصل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"بھئی یہ نہ آدمی ہے نہ جن۔ بلکہ ڈریکولا ہے۔" شہزاد نے کہا اور پھر وہ دونوں بھی نیچے اتر آئے۔

"کیا یہ کتے مر گئے ہیں یا بے ہوش ہیں؟" فیصل نے ڈریکولا سے پوچھا۔

"جی سرکار! یہ مر گئے ہیں۔" ڈریکولا نے بڑے نیازمندانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے بھئی۔ تم تو واقعی کام کے آدمی ہو۔" فیصل نے کہا اور پھر وہ تینوں عمارت کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔

عمارت کے برآمدے میں پہنچ کر شہزاد نے ایک کمرے کے اندر روشنی دیکھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ شہزاد نے تالے کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ اُسے اندر وہی بوڑھا بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کو برآمدے کے کونے سے سیڑھیاں اوپر جاتی ہوئی نظر آئیں۔

شہزاد نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور

پھر وہ دبے پاؤں چلتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ بارہ سیڑھیوں کے بعد ایک بالکونی تھی جس میں کمروں کے روشندان موجود تھے۔ ان میں سے ایک روشندان سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تینوں اسی طرح دبے قدموں چلتے ہوئے اس روشندان کے قریب پہنچ گئے۔ اور پھر شہزاد نے جھانک کر دیکھا تو واقعی وہ اسی کمرے کا روشندان تھا جس میں بوڑھا اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔

شہزاد نے آہستہ سے روشندان کا کونہ دبایا تو روشندان ذرا سا کھل گیا۔ اب ان چاروں کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔

"صالح! آخر باس کو اس خزانے کا راز کیسے معلوم ہوگیا"؟ ایک نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ یہ مکان واقعی ایک بڈھے کا تھا۔ یہ بوڑھا شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اور خزانے کا یہ راز پشتوں سے ان کے پاس چلا آرہا تھا۔ جنگ آزادی کے وقت شاہی خزانہ انگریزوں سے چھپانے کے لئے اس کے بزرگوں

نے دفن کردیا تھا اور اس کا راز گڑیا میں رکھ دیا تھا۔ پھر جب حالات درست ہوئے تو اس خزانے کو دریافت کرنے کی کوشش کی گئی مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ خزانہ دریافت نہ ہوسکا۔ چنانچہ یہ گڑیا اسی طرح وراثت میں آتی چلی گئی۔ مگر خزانہ کوئی حاصل نہ کر سکا۔ اس بوڑھے کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اس مکان میں اکیلا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ بوڑھا ایک حادثے کا شکار ہوگیا اور میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کی۔ مگر وہ بچ نہ سکا۔ مرتے وقت اس نے اس راز سے مجھے مطلع کردیا۔ میں نے باس کو بتانا تھا مگر باس چونکہ ان دنوں ملک سے باہر تھا اس لئے مجھے اس کے آنے کا انتظار کرنا پڑا۔ میں اکیلا کچھ نہ کرسکتا تھا کیونکہ مجھے علم تھا کہ باس ہی اس معمہ کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ جب باس آیا تو میں نے تمام تفصیل اسے بتادی۔ باس نے فوراً اس مکان میں جانے کا فیصلہ کیا مگر۔ اسی دوران معلوم ہوا کہ بوڑھے نے مرنے سے پہلے مکان بیچ دیا تھا

اور اب وہ خود بھی کرایہ دار کی حیثیت سے وہاں رہتا تھا۔

چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکان کرایہ پر اٹھ چکا ہے اور دو لڑکے وہاں رہتے ہیں۔ جس پر باس نے حبشی کو بھیجا۔ اس کا خیال تھا کہ حبشی کی شکل دیکھ کر ہی وہ لڑکے خوفزدہ ہو جائیں گے۔ مگر وہ لڑکے بیحد تیز نکلے۔ بہرحال حبشی وہاں سے گڑیا لے آنے میں تو کامیاب ہوگیا مگر وہ نقشہ وہیں رہ گیا جسے میں ان دونوں لڑکوں کو پکڑ دیکھ لے آیا"۔ صالح نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ بات ہے صالح! تو پھر باس کیسے اس خزانے کو حاصل کرے گا جبکہ بے شمار لوگ پہلے بھی اس سلسلے میں کوششیں کر چکے ہیں"۔ ایک شخص نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بات یہ ہے کہ باس بے حد عقلمند آدمی ہے اور پھر وہ آثارِ قدیمہ کا ماہر بھی ہے اب اسی بات سے اندازہ کر لو کہ اس نے "نقشہ

دیکھ کر یہ بات معلوم کر لی ہے کہ یہ خزانہ سورج کنڈ کی پہاڑیوں میں دفن ہے جبکہ اس سے پہلے آج تک اس جگہ تک لوگ نہیں پہنچ سکے"۔ صالح نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر سورج کنڈ کی پہاڑیاں تو وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہاں سے بغیر صحیح نشان کے خزانہ کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے"۔ ایک اور نے کہا۔

"بھئی یہ مسئلہ باس کا ہے۔ جب اسے یقین ہے کہ وہ خزانہ حاصل کرلے گا تو پھر وہ کر ہی لے گا"۔ صالح نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب سونا چاہیئے۔ صبح اٹھ کر ہم نے جانے کے انتظامات کرنے ہیں اور پرسوں صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔ ایک آدمی نے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے"۔ باقی افراد نے کہا اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایک کرکے کمرے سے چلے گئے۔

شہزاد، فیصل اور ڈیکولا اس وقت تک وہاں چھپے رہے جب تک انہیں یقین نہ ہو گیا کہ سب سو گئے ہیں اور پھر وہ اسی طرح واپس کوٹھی سے باہر آگئے۔ اور تھوڑی دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور پھر وہ اس وقت تک خاموش رہے جب تک وہ گھر نہ پہنچ گئے۔

"اب بتاؤ کیا خیال ہے"؟ شہزاد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خیال کیا ہونا ہے۔ ہم فضول بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ آخر ہمیں اس خزانے کو حاصل کر کے کیا لینا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کے بھی کچھ ہاتھ نہیں آنا"۔ فیصل نے کہا۔

"دیکھو فیصل! میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ خزانہ ضرور حاصل کرنا ہے۔ یہ خزانہ ضرور بے حد قیمتی ہوگا اور ہم اس خزانے کو حکومت کے حوالے کر دیں گے"۔ شہزاد نے جواب دیا۔

"کیوں حکومت کے حوالے کیوں"؟ فیصل نے چونک کر کہا۔

"دیکھو فیصل! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم دونوں کے والدین خوشحال ہیں اور وہ ہمیں اس قدر جیب خرچ دیتے ہیں کہ ہم رئیسوں کی طرح رہتے ہیں۔ ہمارا ملک ترقی پذیر ملک ہے۔ ہمیں دولت کی بے حد ضرورت ہے۔ اگر یہ خزانہ ہم حکومت کے حوالے کر دیں اور حکومت اس سے دس بارہ کارخانے لگا دے تو تم خود سوچو کہ ہزاروں بیروزگاروں کو روزگار مل جائے گا۔ ہمارا ملک ترقی کرے گا اور اس طرح ہم سب خوشحال ہو جائیں گے۔ جبکہ یہ خزانہ اگر ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تو انہوں نے اسے انسانیت کے خلاف استعمال کرنا ہے"۔ شہزاد نے باقاعدہ تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ ہم یہ خزانہ حاصل کر کے حکومت کے حوالے کر دیں گے۔ ویسے شہزاد تمہیں تو سیاسی لیڈر بننا چاہیئے۔ تقریر اچھی کر لیتے ہو"۔ فیصل نے کہا۔

"سوچوں گا فی الحال تو مجھے بھوک لگی ہے"۔ شہزاد نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یار میری سمجھ میں تو آج تک یہ بات نہیں آئی کہ آخر تمہارا کھانا کہاں جاتا ہے؟" فیصل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"پیٹ میں اور کہاں جاتا ہے"۔ شہزاد نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"مگر تمہارا پیٹ ہے کہ عمرو عیار کی زنبیل کہ بس تم کھاتے چلے جاتے ہو اور پیٹ ویسے خالی کا خالی"۔ فیصل نے کہا۔

"بس یہی بات آج تک میری سمجھ میں بھی نہیں آئی"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر اب خزانہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ نقشہ تو ان کے پاس ہے"۔ فیصل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"دیکھو فیصل! ہمیں صرف ان کا تعاقب کرنا ہوگا۔ اگر وہ خزانہ حاصل کر لیتے ہیں تو ہم ان سے حاصل کریں گے۔ اگر وہ ناکام رہتے ہیں تو پھر ہم کوشش کریں گے"۔ شہزاد نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں بھی سورج کنڈ

کی پہاڑیوں پر جانا ہوگا"۔ فیصل نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یقیناً! اچھا بھئی باقی باتیں کھانے کے بعد"۔ شہزاد نے کہا اور پھر اس نے زور سے ہانک لگائی۔

"مسٹر ڈریکولا، مسٹر ڈریکولا"۔

"جی آقا"۔ فوراً ہی ڈریکولا نے کمرے کے دروازے پر نمودار ہوتے ہوئے کہا۔

"کھانا"۔ شہزاد نے کہا۔

"تیار ہے جی حضور"۔ ڈریکولا نے مودبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! لے آؤ"۔ شہزاد نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

اور ڈریکولا سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

سورج کنڈ کی پہاڑیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ پہاڑیاں عجیب و غریب تھیں کیونکہ ان میں سے کتنی بالکل ویران، خشک اور بنجر تھیں جبکہ کتنی پہاڑیاں سرسبز اور شاداب تھیں اور ان پر گھنے جنگل تھے۔ عام طور پر لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ سب پہاڑیاں آسیب زدہ ہیں اس لیے لوگ ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ ایک کچی سڑک ان پہاڑیوں کے قریب پہنچ کر ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس وقت اس سڑک پر دو جیپیں خاصی تیز رفتاری سے بھاگی چلی جا رہی تھیں۔ ان جیپوں کا رخ پہاڑیوں کی طرف تھا اور ان میں سفید بالوں والا باس اور اس

کے ساتھی تھے۔ باس آگے جانے والی جیپ میں تھا اور اس جیپ کو اس کا ساتھی اسماعیل چلا رہا تھا۔

"باس! ہمیں سبز پہاڑیوں کی طرف جانا ہے یا خشک پہاڑیوں کی طرف"۔ اسماعیل نے پوچھا۔

"خشک پہاڑیوں کی طرف"۔ باس نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اسماعیل نے سر ہلا دیا۔ باقی ساتھی خاموش بیٹھے رہے۔

پہلی جیپ میں باس اور اس کے تین ساتھی تھے جبکہ پچھلی جیپ میں اس کے دو ساتھی تھے اور پچھلی جیپ کو منشی چلا رہا تھا۔ جیپوں میں کھدائی کرنے اور مٹی ڈھونے کا سامان موجود تھا۔

اس وقت شام ہونے والی تھی اور پھر اس سے پہلے کہ سورج غروب ہوتا، دونوں جیپیں پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ کر رک گئیں۔ اب ان کے دائیں طرف سرسبز پہاڑیاں اور بائیں طرف خشک پہاڑیاں تھیں۔

"ہمیں آج رات یہیں کیمپ لگانا ہے۔ کل ہم خشک پہاڑیوں کی طرف بڑھیں گے"۔ باس نے

کہا اور پھر جیپ سے اتر آیا۔ اس کے ساتھی بھی جیپوں سے اتر آتے اور پھر انہوں نے بڑی تیزی سے خیمے لگانے شروع کر دیئے۔ خیمے نصب کرنے کے بعد انہوں نے بڑی تیزی سے سامان اتار کر ایک خیمے میں رکھا اور خود دوسرے خیموں میں آرام کرنے کے لیے گھس گئے۔

ان میں سے ایک آدمی رائفل لے کر خیموں کے باہر ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھ گیا وہ پہرہ دے رہا تھا۔ باس نے پہرے کا خصوصی انتظام کیا تھا اور سب لوگوں کی چار چار گھنٹوں کی باری مقرر کر دی تھی۔ کیونکہ اُسے پتہ چلا تھا کہ ان پہاڑیوں میں کوئی وحشی قبیلہ رہتا ہے جو ان پہاڑیوں میں آنے والوں کو قتل کر کے ان کا سامان لوٹ لیتے تھے۔

آہستہ آہستہ رات گذرتی چلی گئی اور تقریباً آدھی رات سے کچھ زیادہ کا وقت تھا کہ اچانک پہرہ پر بیٹھے ہوئے اسماعیل کو سبز پہاڑیوں کی طرف سے کھٹکے کی آواز سنائی دی

وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور پھر غور سے اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے آواز آئی تھی مگر جب اُسے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی محسوس نہ ہوئی تو وہ دوبارہ اطمینان سے ٹیلے پر بیٹھ گیا۔ مگر اس بار اس نے اپنا رخ سبز پہاڑیوں کی طرف ہی رکھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر چونک پڑا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے آہٹ محسوس کی تھی بلکہ اُسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے جنگل آہستہ آہستہ چل رہا ہو۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے واضح طور پر ایک جھاڑی کو چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے کئی بار اپنی آنکھیں ملیں کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا مگر پھر اُسے یقین ہو گیا کہ جنگل واقعی چل رہا ہے اُسے فوراً وہ باتیں یاد آگئیں کہ یہ جنگل آسیب زدہ ہے۔ خوف کے مارے اس کی بُری حالت ہو گئی۔ جنگل آہستہ آہستہ آگے بڑھا چلا آ رہا تھا اور پھر خوف کی شدت سے وہ

بے اختیار چیخ پڑا اور خیمے کی طرف بھاگا۔

"باس باس! جنگل چل رہا ہے۔ یہ پہاڑیاں بھوتوں سے پُر ہیں"۔ وہ چیختا ہوا بھاگا جا رہا تھا۔

اس کی چیخ و پکار سنکر خیمے میں سوئے ہوئے سب لوگ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر وہ اپنی اپنی رائفلیں سنبھالے باہر نکل آئے مگر اس سے پہلے کر وہ صورت حال کو سمجھتے اچانک پہاڑی پر سے خوفناک چیخوں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر جھاڑیوں کے پیچھے سے چار پانچ سو ننگ دھڑنگ آدمی نیزے لہراتے بھوتوں کی طرح ان پر جھپٹ پڑے۔

باس کے ساتھیوں نے بے اختیار رائفلیں سیدھی کیں اور وہ فائر کرنا ہی چاہتے تھے کہ باس نے چیخ کر انہیں منع کیا اور پھر خود رائفل پھینک کر ہاتھ اونچے کر لیئے۔ اسے دیکھ کر باقیوں نے بھی ہاتھ اونچے کر لیئے۔

اور پھر باس نے ایک اجنبی زبان میں چیخ کر کچھ کہا تو نیزے لہراتے ہوئے وحشی یکدم

رک گئے۔ البتہ ان میں سے ایک لمبا تڑنگا آدمی نیزہ اٹھائے آگے بڑھتا چلا آیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ اس نے آ کر باس سے اسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ جس کے جواب میں باس نے بھی اسی زبان میں بات کی۔ تھوڑی دیر تک ان میں تیز تیز لہجے میں باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وحشیوں کے سردار نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور ان سب نے آگے بڑھ کر ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

"یہ ہمیں اپنے بڑے سردار کے پاس لے جا رہے ہیں۔ خبردار! کوئی غلط حرکت نہ کرے ورنہ یہ ہم سب کو مار ڈالیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بڑے سردار کو راضی کر لیں گے"۔ باس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا اور ان سب نے سر ہلا دیئے۔

اور پھر وہ وحشیوں کے گھیرے میں چلتے ہوئے پہاڑیوں پر چڑھتے چلے گئے۔ صبح سورج طلوع ہونے تک وہ چلتے رہے۔ پھر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر وہ دوسری طرف اترنے لگے تو

گھنے جنگل کے اندر ایک خالی جگہ پر انہو(ں) گھاس کے بنے ہوئے بے شمار جھونپڑے نظر آ(ئے) جہاں ان جیسے بے شمار وحشی گھوم پھر رہے تھ(ے) وحشی، باکس اور اس کے ساتھیوں کو ہا(نکتے) لے کر ایک بڑے خیمے کے سامنے پہنچ گئے ا(س) خیمے کے اوپر انسانی سروں کا ایک اونچا مینا(ر) بنا ہوا تھا۔

جیسے ہی وہ سب خیمے کے سامنے پہنچے، خیم(ے) میں سے ایک بہت موٹا آدمی باہر آگیا۔ اس کے تمام جسم پر مختلف رنگوں سے نشان بنے ہوئے تھے۔ اور اس کے سر پر پروں کا تاج بنا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے منگو! ان کو یہاں کیوں لائے ہو۔ انہیں وہیں قتل کردیا ہوتا۔" سردار نے باکس اور اس کے ساتھیوں کو لے آنے والے وحشی سے مخاطب ہوکر اپنی زبان میں انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"سردار! یہ آدمی کہتا ہے کہ وہ دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ہے۔ یہ ہماری زبان بول لیتا ہے۔"

لے آنے والے نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"کون ہو تم؟" سردار نے اس بار براہِ راست باکس سے مخاطب ہوکر کہا۔

"مجھے شولو دیوتا نے بھیجا ہے اور شولو دیوتا نے پیغام دیا ہے کہ اگر ہماری حفاظت نہ کی گئی تو تم سب پر اس کا قہر ٹوٹ پڑے گا۔ جنگلوں کو آگ لگ جائے گی۔ بستیاں تباہ ہو جائیں گی اور شکار ختم ہو جائے گا۔" باکس نے انہی کی زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تم شولو دیوتا کا پیغام لے کر آئے ہو۔ شولو دیوتا سچا ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ تم سچے ہو یا جھوٹے۔ اس لیے تمہیں امتحان دینا پڑے گا۔" موٹے سردار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہم رات کو تمہارا امتحان لیں گے۔ اور پھر ہمیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" موٹے سردار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اس کے

ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا اور نیزے بردار وحشیوں نے ان سب کو گھیر کر ایک جھونپڑے میں بند کردیا اور پھر پچاس ساٹھ نیزہ بردار باہر پہرے پر کھڑے ہو گئے۔

فیصل، شہزاد اور ڈریکولا نے سورج کنڈ کی پہاڑیوں پر جانے کے تمام انتظامات مکمل کرلیے تھے۔ چنانچہ تیسرے روز وہ اسٹیشن پر آگئے جہاں سے مالاکنڈ تک انہوں نے گاڑی پر سفر کرنا تھا۔ مالاکنڈ سے سورج کنڈ کی پہاڑیاں بیس میل کے فاصلے پر تھیں اور ان کا خیال تھا کہ وہ وہاں تک پیدل پہنچ جائیں گے۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا جو ڈریکولا نے اٹھایا ہوا تھا۔

اور پھر دس گھنٹے مسلسل سفر کے بعد ان کی گاڑی مالاکنڈ اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں گاڑی سے اترے اور پھر سورج کنڈ کی پہاڑیوں

کی طرف چل پڑے۔

شام سے پہلے پہلے وہ سورج کنڈ تک پہنچ گئے اور پھر انہیں دور سے پہاڑیوں کے دامن میں دو جیپیں کھڑی ہوئی نظر آئیں اور ساتھ ہی دو خیمے بھی لگے ہوئے تھے۔

"اوہ! یہ لوگ پہلے پہنچ گئے ہیں"۔ فیصل نے کہا۔

"ہم نے صرف ان کی نگرانی کرنی ہے۔ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ جنگل میں جا کر چھپ جاتے ہیں"۔ شہزاد نے کہا۔ اور پھر وہ تینوں تیزی سے جنگل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑا دور اوپر جا کر وہ تینوں ایک ہی درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے خیمے اور جیپیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

پھر آدھی رات سے پہلے وہ تینوں بے اختیار چونک پڑے۔ انہیں پہاڑی کی چوٹی سے آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ جنگل کی چوٹی سے بے شمار جھاڑیاں آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہوئی نیچے آ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" فیصل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"شولو قبیلہ کے لوگ آ رہے ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ یہ بے حد خطرناک وحشی ہیں"۔ شہزاد نے کہا۔

"پھر تو یہ باس اور اس کے ساتھیوں کو مار ڈالیں گے"۔ فیصل نے جواب دیا۔

"دیکھو کیا ہوتا ہے"۔ شہزاد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ باس ہاتھ اٹھائے ان وحشیوں سے باتیں کر رہا ہے۔ اور پھر وہ ان کے گھیرے میں پہاڑی کے اوپر چڑھنے لگے۔ کچھ وحشی ان کی جیپوں اور خیموں کے پاس رک گئے۔

جب یہ سب لوگ ان کا درخت پار کر کے اوپر چڑھ گئے تو شہزاد نے کہا۔

"ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے مگر انتہائی احتیاط سے"۔

چنانچہ وہ تینوں درخت سے اترے اور پھر درختوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کے پیچھے چلتے گئے۔

وحشی چونکہ مطمئن تھے کہ باس اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی آدمی وہاں نہیں رہا اس لیے انہوں نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اور پھر ان کا سفر قبیلے کی بستی پر جاکر ختم ہوگیا۔

شہزاد، فیصل اور ڈریکولا بستی کے قریب ہی ایک درخت پر چڑھ کر چھپ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے باس کو موٹے سردار سے باتیں کرتے دیکھا اور پھر وحشیوں نے ان سب کو ایک جھونپڑے میں قید کردیا۔

"اب کیا ہوگا؟" فیصل نے کہا۔

"انتظار کریں گے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ویسے یہ قبیلہ تو بے حد خوفناک ہے۔ پتہ نہیں باس نے یہاں کیا چکر چلایا ہے کہ انہوں نے فوری طور پر انہیں قتل نہیں کیا۔" شہزاد نے سنجیدہ لہجے

میں کہا اور پھر ڈریکولا کو اشارہ کیا۔ اس نے اٹیچی کیس شہزاد کی طرف بڑھا دیا۔

شہزاد نے اٹیچی کیس کھولا۔ اس میں کھانے کے بند ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ شہزاد نے ایک ڈبہ کھولا اور پھر بڑے اطمینان سے کھانا کھانا شروع کردیا۔

رات تک انہیں انتظار کرنا پڑا۔ پھر رات پڑتے ہی بستی کے سامنے میدان میں ہر طرف مشعلیں جل اٹھیں اور دن کی سی روشنی ہوگئی میدان کے گرد بے شمار وحشی گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے۔ پھر موٹا سردار خیمے سے باہر نکلا اور درمیان میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور پھر باس اور اس کے ساتھیوں کو میدان میں لے آیا گیا۔ وحشیوں نے ان کے تمام کپڑے اتار کر انہیں ننگ دھڑنگ کرکے میدان میں چھوڑ دیا۔ اور پھر موٹے سردار نے باس سے مخاطب ہوکر کہا۔

"سنو شولو دیوتا کا پیغام لے آنے والو! اب پہلا امتحان ہے۔ تم پر ایک بھوکا شیر چھوڑا

جائے گا۔ اگر تم نے اُسے مار ڈالا تو تم
سچے ورنہ جھوٹے۔"

اور پھر اس کے ساتھ ہی موٹے سردار نے اپنا ہاتھ اونچا کیا تو ایک طرف سے وحشی ایک بڑا سا پنجرہ اٹھاکر لے آئے۔ اس میں ایک خوفناک شیر بند تھا اور وہ پنجرے کی موٹی لکڑیوں سے بار بار سر ٹکرا رہا تھا او اس کی دھاڑوں سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔

باس اور اس کے ساتھیوں کے چہرے اس خوفناک شیر کو دیکھ کر خوف سے زرد پڑگئے۔ وہ خالی ہاتھ تھے۔ اس لئے انہیں معلوم تھا کہ وہ اس وحشی اور خوفناک شیر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے مگر اب وہ مجبور تھے۔ کیونکہ ہر طرف موت تھی۔

اُدھر شہزاد بڑے غور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"میرے خیال میں یہ شیر باس اور اس کے ساتھیوں کو کھا جائے گا۔" شہزاد نے فیصل سے مخاطب ہوکر کہا۔

"معلوم تو ایسے ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی تمہاری ہی طرح مجبور سا معلوم ہوتا ہے۔" فیصل نے جواب دیا۔

"اگر یہ لوگ مرگئے تو پھر خزانہ دریافت نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے انہیں زندہ رہنا چاہیئے۔" شہزاد نے کہا اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک دستی بنا ہوا پستول نکالا جس کی نال سوئی کی طرح باریک تھی۔

"یہ کیا ہے"؟ فیصل نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارا ہتھیار، اسے میں نے خود کالج کی لیبارٹری میں تیار کیا ہے۔ اس میں زہریلی سوئیاں بھری ہوئی ہیں"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے پستول سیدھا کرلیا۔

"کیا اس سے نکلی ہوئی سوئی اتنی دور تک چلی جائے گی"؟ فیصل نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! اس کی مار بہت دور تک ہے۔" شہزاد نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

اُسی لمحے سردار کے اشارے پر وحشیوں نے

پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور شیر ایک خوفناک دھاڑ مار کر باہر نکل آیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیئے رک کر باس اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ جو موت کے خوف سے بتوں کی طرح کھڑے تھے۔ اور پھر شیر نے ایک خوفناک دھاڑ مار کر ان پر حملہ کرنے کے لیئے جسم کو سکیڑا، مگر عین اسی لمحے شہزاد نے شیر کا نشانہ لے کر پستول کا ٹریگر دبا دیا۔

پستول میں سے ایک چھوٹی سی سوئی نکلی اور پھر گولی سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اڑتی ہوئی شیر کی طرف بڑھی۔ پھر اس سے پہلے کہ شیر حملہ کرتا، سوئی ٹھیک اس کے سر میں گھستی چلی گئی۔

دوسرا لمحہ باس اور اس کے ساتھیوں کے لیئے حیرت انگیز ثابت ہوا۔ انہیں بس یہی معلوم ہوا کہ شیر ان پر حملہ کرنے والا تھا کہ یکلخت اچھل کر زمین پر گرا۔ اور چند لمحے تڑپنے کے بعد بے حس و حرکت ہو گیا۔ ایک لمحے سے بھی کم

عرصے میں شیر مر چکا تھا۔

شیر کے مرتے ہی وحشیوں نے زور دار نعرے مارے اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے سردار سمیت تمام وحشی ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

"حیرت انگیز! ناممکن، آخر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" باس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کیونکہ بہرحال جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس سے نہ صرف ان کی جانیں بچ گئی تھیں بلکہ اب وہ اس قبیلے کی ہمدردیاں بھی جیت چکے تھے۔ اور پھر اس نے وحشیوں کو اٹھنے کے لیئے کہا اور تمام وحشی سیدھے ہو گئے۔

"تم واقعی شولو دیوتا کے سچے پیغامبر ہو۔ تم نے بغیر ہاتھ ہلائے اس بھوکے شیر کو مار ڈالا ہے۔ تم سچے ہو۔ ہمیں حکم کرو۔ ہم تعمیل کریں گے"۔ موٹے سردار نے انتہائی مودبانہ انداز میں کہا۔

"ہمارے کپڑے پیش کرو"۔ باس نے بڑے سخت

لہجے میں کہا۔

اور پھر دوسرے لمحے ان کے کپڑے پیش کر دیئے گئے۔ ان سب نے کپڑے پہنے اور پھر باس نے موٹے سردار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سنو! ہم نے سورج کنڈ کی پہاڑیوں میں بنے اس غار تک پہنچنا ہے جس کی شکل بیٹھے ہوئے شیر کی طرح ہے۔ کیا تم نے یہ غار دیکھی ہوئی ہے"، باس نے پوچھا۔

"بیٹھے ہوئے شیر کی شکل والی غار۔ ہاں! ہم اُسے جانتے ہیں وہ ہماری ساتھ والی پہاڑی پر ہے"۔ سردار نے جواب دیا۔

"ہمیں فوراً وہاں پہنچاؤ"۔ باس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"آؤ سردار"۔ موٹے سردار نے کہا اور پھر وہ انہیں لیکر پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔

شہزلو اور اس کے ساتھیوں نے جب ان سب کو پہاڑی سے نیچے اترتے دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے اور پھر ان کے پیچھے چلتے ہوئے اس پہاڑی سے اتر کر دوسری پہاڑی کی طرف بڑھے۔ اس پہاڑی پر بھی جھاڑیوں کی کثرت تھی۔ تقریباً آدھی رات تک وہ چلتے رہے۔ پھر وہ سب ایک جگہ رک گئے۔

موٹے سردار نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باس سے کہا اور باس اس چٹان کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا۔

"اوہ! اس چٹان کی شکل بیٹھے ہوئے شیر کی

طرح ہے۔ اب مجھے یاد آگیا۔ اس نقشے میں بھی یہی شکل بنی ہوئی تھی۔ شہزاد نے کہا۔

ادھر باس نے اس چٹان کو دیکھتے ہی جیب سے وہ نقشہ نکالا اور غور سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا وہ اس چٹان پر چڑھ گیا اور پھر وہ شیر کے سر پر اس طرح بیٹھ گیا کہ شیر کی آنکھیں اور اس کا چہرہ ایک ہی سیدھ میں تھا۔ باس چند لمحے ایک مخصوص زاویے سے پہاڑی کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس کی نظریں بے شمار درختوں میں سے ایک درخت پر جم گئیں اس درخت کی شاخیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ اس سے ایک عورت کی شکل بن گئی تھی مگر یہ شکل صرف اسی مخصوص زاویے سے ہی نظر آتی تھی۔

باس تیزی سے نیچے اترا اور پھر اس درخت کی طرف چل پڑا۔ اس درخت کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر تیزی سے درخت پر چڑھتا چلاگیا۔

اس نے جیب سے ایک فیتہ نکالا اور اپنے ساتھی کو بلایا اور اس کے ساتھی نے فیتے کا ایک سرا زمین سے لگایا اور باس فیتہ لیے ہوئے اوپر چڑھتا چلاگیا۔ فیتے سے ماپ کر وہ ایک مخصوص بلندی پر پہنچا اور پھر اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ باس نے درخت کی ایک شاخ سے ٹانگیں اٹکائیں اور الٹا لٹک گیا۔ اب اس کی آنکھیں عین اسی جگہ پر تھیں جہاں اس نے فیتے سے ماپ کر نشان لگایا تھا اور پھر اس نے اپنا رخ شمال کی طرف کردیا اور چند لمحے الٹا لٹکا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر وہ سیدھا ہوگیا اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اس زاویے سے دیکھتے ہوئے اس کی نظریں ایک اور درخت پر جم گئیں۔ اس درخت کی ایک شاخ بالکل سوکھی ہوئی تھی اور وہ انسانی پنجے کی طرح کسی تھی۔ پھر اس درخت سے نیچے اتر کر وہ اس درخت کی طرف بڑھا اور پھر وہ اس پر چڑھ کر اس سوکھی ہوئی شاخ پر پہنچ گیا اور اس نے فیتہ کھول کر

ایک نشان اس پنجے سے لگایا اور پھر جب فیتے کا دوسرا سرا زمین پر لگا تو اس نے وہیں درخت سے نیچے چھلانگ لگا دی اور جس جگہ وہ فیتہ لگا تھا۔ وہاں سے پہلے وہ شمال کی طرف بیس قدم چلا۔ پھر دس قدم جنوب کی طرف اور پھر پانچ قدم مغرب کی طرف۔ اب وہ ایک چٹان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جیب سے نقشہ نکال کر دیکھا اور پھر چٹان پر چڑھ کر اس نے اپنا رخ شمال کی طرف کیا اور دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا دیئے اور پھر ایک مخصوص انداز میں اس نے دونوں ہاتھوں کو حرکت دی اور پھر جو زاویہ بنا وہ اس طرف چل پڑا۔ تقریباً پچاس قدم چلنے کے بعد وہ ایک اور چٹان کے پاس پہنچ گیا۔

"آؤ آؤ بھاگ کر آؤ۔ اس چٹان کے نیچے خزانہ موجود ہے"۔ باس نے خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سب ساتھی بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گئے۔

"سردار! اپنے آدمیوں سے کہو کہ نیزے مار مار کر اس چٹان کو اکھیڑ ڈالیں"۔ باس نے موٹے سردار سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور پھر سردار کے حکم پر تمام وحشی نیزے لیکر اس چٹان پر پل پڑے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد چٹان ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔ اب وہاں ایک غار کا دہانہ صاف نظر آرہا تھا۔

باس اپنے ساتھیوں سمیت غار میں داخل ہو گیا اور پھر یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ غار میں کسی مخصوص لکڑی سے بنے ہوئے بڑے بڑے بیس صندوق پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ڈھکن کھلے ہوئے تھے اور ان سب میں قیمتی ہیرے۔ جواہرات اور سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں ہیرے جواہرات کی روشنی سے پوری غار جگمگا رہی تھی۔

"اوہ اتنا بڑا خزانہ! اب دنیا میں ہم جیسا امیر کوئی نہیں ہوگا"۔ باس نے خوشی سے پاگل ہوتے ہوتے کہا۔

"باس! یہ بس تمہاری ذہانت تھی کہ تم نے

اس خزانے کا پتہ چلا لیا ورنہ یہ ناممکن تھا:
صالح نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔
"یہ سب کیا ہے شولو دیوتا کے پیغامبر: موٹے سردار نے حیرت سے ہیرے جواہرات کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہ شولو دیوتا کے پہننے کے پتھر ہیں اس نے ہمیں یہی پتھر لینے کے لئے بھیجا تھا۔ تم اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ یہ صندوق اٹھاکر پہاڑی کے نیچے ہمارے خیموں میں لے چلیں" باس نے موٹے سردار سے مخاطب ہوکر کہا۔
"شولو دیوتا کے حکم کی تعمیل ہوگی"۔ موٹے سردار نے کہا اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو انہیں اٹھانے کا حکم دیا اور پھر وحشیوں نے مل کر وہ صندوق اٹھائے اور غار سے باہر نکل آئے۔

شہزاد اور اس کے ساتھی دور درخت پر بیٹھے یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب سردار نے خزانہ باہر نکالا تو اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر حیرت کے مارے ان کی آنکھیں جیسی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
"اوہ! اتنا بڑا خزانہ، اب ہمارا ملک یقیناً خوشحال ہو جائے گا" شہزاد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
"آؤ چلیں! ہمیں ان سے پہلے خیموں تک پہنچنا چاہیئے ورنہ یہ خزانہ لے کر نکل جائیں گے" ... نے کہا اور پھر وہ تینوں درختوں سے اترے اور چھپتے چھپاتے پہاڑی سے نیچے

اترنے لگے۔ ان کی رفتار انتہائی تیز تھی۔

اور پھر تقریباً دو گھنٹے بعد وہ جیپوں کے قریب پہنچ گئے۔

"ڈریکولا! ان سب کا اسلحہ اکٹھا کرلو"۔ شہزاد نے ڈریکولا سے کہا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ڈریکولا نے جیپوں اور خیموں کی تلاشی لے کر تمام اسلحہ اکٹھا کرلیا۔

"اسے کہیں غار میں چھپا دو"۔ شہزاد نے کہا اور ڈریکولا نے انتہائی پھرتی سے تمام اسلحہ نزدیک ہی ایک گہری کھائی میں پھینک دیا۔

"جیپوں کے نیچے گھس جاؤ جب میں اشارہ کروں تب باہر آنا۔ اور ڈریکولا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے پھر کیا کرنا ہے"۔ شہزاد نے کہا۔

"جی آقا"۔ ڈریکولا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اور پھر شہزاد اور ڈریکولا ایک جیپ کے نیچے اور فیصل دوسری جیپ کے نیچے گھس گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد باس اور اس کے ساتھی وحشیوں اور خزانے سمیت وہاں پہنچ

گئے۔ باس کے حکم پر خزانے کے تمام صندوق جیپوں میں لاد دیئے گئے۔ اور پھر باس کے ساتھیوں نے خیمے اکھاڑ کر ان کی مدد سے تمام صندوق اچھی طرح ڈھانپ دیئے۔

"اچھا سردار! میں شولو دیوتا کو بتاؤں گا کہ تم نے ہماری مدد کی۔ جیسے وہ تم پر مہربانی کرے گا۔ اب تم جاؤ"۔ باس نے موٹے سردار سے کہا اور وحشی سر ہلاتے ہوئے واپس پہاڑی پر چڑھنے لگے۔

باس اور اس کے ساتھیوں کے چہرے خوشی سے جگمگا رہے تھے۔

جب سب وحشی جنگل میں غائب ہوگئے تو باس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ جیپوں پر چڑھ جائیں۔

"ٹھہرو دوستو! تم اتنی آسانی سے نہیں جا سکتے"۔ اچانک شہزاد نے جیپ کے نیچے سے نکل کر باہر آتے ہوئے کہا۔

باس اور اس کے ساتھی شہزاد کی آواز سن کر اس طرح اچھلے جیسے ان کے سروں پر بم

پھوٹ پڑے ہوں۔

ڈریکولا اور فیصل بھی باہر آ گئے تھے

"تم کون ہو؟" باس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا

"تمہارے دوست! ویسے تم نے جس ذہانت سے خزانہ دریافت کیا ہے میں اس کی داد دیتا ہوں۔ مگر افسوس یہ خزانہ تمہارے نصیب میں نہیں ہے یہ ہمارے ملک کی امانت ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"باس! یہ وہی لڑکے ہیں جن سے ہم نقشہ اور گڑیا چھین لائے تھے۔" صالح نے کہا۔

"اوہ! تو تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے۔" باس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ ڈریکولا بجلی کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر پلک جھپکنے میں باس اس کے پنجے میں یوں تڑپ رہا تھا جیسے عقاب کے پنجے میں چڑیا۔

ڈریکولا کا ایک ہاتھ باس کی گردن کے گرد

کی ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر کے گرد۔ حالانکہ باس بے حد قوی ہیکل تھا۔ لیکن ڈریکولا کی طاقت کے مقابلے میں وہ بے بس ہو چکا تھا۔

"اپنے ساتھیوں سے کہو کہ وہ زمین پر لیٹ جائیں۔ ورنہ میں ایک ہی جھٹکے میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔" ڈریکولا نے چیخ کر کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے بازو کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور باس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن ٹوٹنے والی ہو۔

"لیٹ جاؤ۔ لیٹ جاؤ"۔ باس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ اور اس کے ساتھی زمین پر لیٹ گئے۔

شہزاد نے پہلے سے ہی ایک رسی ایک درخت کی آڑ میں چھپا رکھی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے باس کے پانچوں ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ دیا اور پھر اس نے باس کو بھی اس سے باندھ دیا۔

"تم لوگ زیادتی کر رہے ہو۔ ہم نے بڑی

مشکل سے خزانہ حاصل کیا ہے۔" باس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"مگر تمہاری زندگیاں بھی میں نے بچائی تھیں اگر میں شیر کو زہریلی سوئی سے ہلاک نہ کرتا تو تم اب تک عالمِ بالا میں سیر کر رہے ہوتے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تو وہ تم تھے۔" باس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ڈریکولا! انہیں اٹھا کر جیپ میں ڈال دو۔" شہزاد نے ڈریکولا سے کہا۔ اور ڈریکولا نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر ایک جیپ کا سٹیرنگ شہزاد نے سنبھال لیا جبکہ دوسری جیپ فیصل نے سنبھالی۔ شہزاد والی جیپ میں ہی باس اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ اور ڈریکولا بھی ان کے سروں پر چوکنا بیٹھا تھا۔

دوسرے لمحے جیپیں تیزی سے چلیں اور مڑ کر سڑک پر دوڑنے لگیں۔

اعلیٰ حکام کے پاس جب یہ خزانہ پہنچا ر سب لوگ خوشی سے پاگل ہوگئے۔ دوسرے روز کی اخباریں شہزاد، فیصل اور ڈریکولا کی نت، بہادری اور وطن کی محبت کی تعریفوں ے بھری ہوتی تھیں۔ ان کے کارنامے کی تفصیلات درج تھیں اور ان کے بے شمار فوٹو تھے۔ ساتھ ہی خزانے کی تفصیلات بھی تھیں ور ایک اندازے کے مطابق یہ اتنا بڑا زانہ تھا کہ اس سے ملک کے تمام مسائل سانی سے حل ہوسکتے تھے۔

اور پھر ایک بہت بڑی تقریب میں شہزاد یصل اور ڈریکولا کو انعامات دیئے گئے۔ اور

صدر مملکت نے ان سے ہاتھ ملائے۔ اور پھر صدر مملکت نے شہزاد اور فیصل کو ایک خصوصی اجازت نامہ دیا جس کی رُو سے انہیں یہ اتھارٹی مل گئی کہ وہ پولیس، فوج اور اسی طرح کے تمام اداروں سے ہر وقت مدد لے سکتے تھے۔ اور اس اتھارٹی کی رُو سے انہیں اس قدر وسیع اختیارات مل گئے کہ صدرِ مملکت کے علاوہ باقی ہر آدمی ان کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند تھا۔ اور اس اتھارٹی کی رُو سے وہ ایک خفیہ فنڈ سے جس بنک سے بھی چاہیں، جس قدر چاہیں روپیہ حاصل کرسکتے تھے

شہزاد اور فیصل کے والدین بھی اس تقریب میں شامل تھے۔ وہ بے حد خوش تھے۔ انہیں اپنی اولاد پر فخر تھا۔

اور پھر شہزاد، فیصل اور ڈریکولا واپس اپنے گھر میں آگئے۔ وہ خود بھی بے حد خوش تھے۔ کیونکہ ان کے پاس اب وسیع اختیارات تھے اور انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ

اس طرح کے کارنامے انجام دیتے رہیں گے تاکہ ان کے ملک کا پوری دنیا میں بول بالا ہو سکے۔

"ڈریکولا!" اچانک شہزاد نے چیخ کر کہا۔

"جی آقا"۔ ڈریکولا نے چونک کر کہا۔

"کھانا لاؤ۔ میرا تو بھوک کے مارے بُرا حال ہے"۔ شہزاد نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابھی لایا جی حضور"۔ ڈریکولا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"سنو! آج کے بعد صرف یہی کہنا کہ تیار ہے سمجھے! میں بھوک برداشت نہیں کرسکتا"۔ شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی سرکار"۔ ڈریکولا نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور فیصل بے اختیار ہنس پڑا۔

ختم شُد

فیصل، شہزاد اور ڈریکولا کا انتہائی سنسنی خیز ناول

خوفناک گروہ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

- خوفناک گروہ جو ملک میں مسلح بغاوت کرنا چاہتا تھا۔
- فیصل اور شہزاد اپنی حماقت سے گروہ کے ہتھے چڑھ گئے۔
- فیصل اور شہزاد کو باندھ کر ان پر کوڑے برسائے گئے۔
- ڈریکولا اور خوفناک سانپ کے درمیان خوفناک جنگ۔
- ڈریکولا نے فیصل اور شہزاد کی چیخیں سنکر موت کے منہ میں چھلانگ لگا دی۔
- مجرموں نے فیصل کو اغوا کر کے اس پر گولی چلا دی۔
- مجرموں، فیصل، شہزاد اور ڈریکولا کے درمیان خوفناک اور خطرناک جنگ۔
- کیا خوفناک گروہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا؟
- کیا فیصل، شہزاد اور ڈریکولا خوفناک گروہ کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو گئے؟
- انتہائی دلچسپ
- انتہائی خوفناک
- انتہائی جرات آمیز کہانی

شائع ہو گیا ہے

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمرو عیار کی حیرت انگیز عیاریوں اور مزاحیہ کارناموں سے بھرپور ناول

عمرو اور فومانچو جادوگر

مصنف: صفدر شاہین

- سرخ پہاڑوں کے درمیان ایک پُراسرار اور قدیم عمارت جہاں عمرو کو خوفناک بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔؟
- افراسیاب نے طلسمی بت کو فنا کرنے کے لئے عمرو کی خدمات حاصل کیں کیوں؟
- افراسیاب طلسمی بت کو کیوں تباہ کروانا چاہتا تھا۔؟
- طلسمی بت کے محافظوں نے عمرو کا کیا حشر کیا۔؟
- طلسمی بت کی حقیقت کیا تھی۔؟ کیا عمرو بت کو توڑنے میں کامیاب ہو سکا۔؟
- خونخوار درندے سے زیادہ خطرناک اور موت سے زیادہ خوفناک فومانچو جادوگر اور عیاروں کے شہنشاہ خواجہ عمرو عیار کا خونی مقابلہ۔ کون جیتا کون ہارا۔؟
- عمرو کو فومانچو جادوگر سے کیوں ٹکرانا پڑا۔؟
- افراسیاب کی ملکہ حیرت کا عمرو کے ہاتھوں کیا حشر ہوا۔؟
- آپ کے لئے ایک انتہائی دلچسپ اور قہقہہ بار ناول۔

ناشران: یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان